آرا و افکار

ڈاکٹر محی الدین غازی

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں-۳۴

(۱۱۶) یولج کا ترجمہ

ایلاج کے معنی داخل کرنا ہوتا ہے، قرآن مجید میں رات اور دن کے حوالے سے یہ فعل پانچ آیتوں میں ذکر ہوا ہے۔ ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

ان پانچ آیتوں میں سے ایک آیت کا ترجمہ صاحب تفہیم القرآن نے داخل کرنے کے بجائے نکالنا کیا ہے، یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔

پہلی بات کہ یہ ترجمہ آیت کے الفاظ کے خلاف ہے، ایلاج کے معنی داخل کرنا ہے نکالنا نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس مفہوم کی تائید میں کوئی اور نظیر بھی نہیں ہے، قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں آیا ہے کہ اللہ دن سے رات کو اور رات سے دن کو نکالتا ہے۔ صرف ایک مقام پر آیا ہے: وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۔(یس: ۳۷) یہاں اندر سے نکالنے کی بات نہیں بلکہ سلخ یعنی رات کے اوپر سے دن کو کھینچ لینے کی بات ہے۔

تیسری ایک بات یہ بھی ہے کہ خود صاحب تفہیم نے باقی چار آیتوں کا ترجمہ دیگر مترجمین کی طرح داخل کرنا کیا ہے، جیسا کہ ذیل میں دیکھا جا سکتا ہے، اس لیے بلا تردد کہا جا سکتا ہے کہ پانچ میں سے اس ایک مقام پر ان سے ترجمہ کرتے ہوئے سہو ہو گیا ہے۔

(۱) ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ۔ (الحج:۶۱)

”یہ اس لیے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے“ (سید مودودی)

”یہ سبب اس کے ہے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو بیچ دن کے اور داخل کرتا ہے دن کو بیچ رات کے“ (شاہ رفیع الدین)

”یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے“ (محمد جونا گڑھی)

”یہ اس لیے کہ اللہ تعالی رات کو ڈالتا ہے دن کے حصہ میں اور دن کو لاتا ہے رات کے حصہ میں“ (احمد رضا خان)

''یہ اس لیے کہ خدا رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے'' (فتح محمد جالندھری)

(۲) تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ۔ (آل عمران: ۲۷)

رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں (سید مودودی)

(۳) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ۔ (لقمان: ۲۹)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟'' (سید مودودی)

(۴) يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۔ (فاطر: ۱۳)

''وہ دن کے اندر رات کو اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے آتا ہے'' (سید مودودی)

(۵) يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ۔ (الحدید: ۶)

''وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے'' (سید مودودی)

(۱۱۷) باء برائے تجرید

جس طرح حرف من تجرید کے لیے آتا ہے اسی طرح حرف باء بھی تجرید کے لیے آتا ہے، امام لغت ابن جنی نے اس کی مثال دی ہے، لقيت به الاسد، وجاورت به البحر. (الخصائص ۲/۴۷۷)

قرآن مجید کے بعض مقامات پر اگر تجرید کا اسلوب سامنے رہے تو مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے، اور اس میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا۔ ذیل میں دو آیتوں پر گفتگو کی جائے جہاں باء کو برائے تجرید ماننا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِراً تَهْجُرُونَ۔ (المومنون: ۶۷)

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے اس طرح کیا گیا ہے کہ مستکبرین اور تھجرون کا جو فاعل ہے، وہی سامرا کا فاعل بھی ہے یعنی رسول کی باتوں کا انکار کرنے والے۔ ذیل کے ترجمے ملاحظہ ہوں:

''اپنے گھمنڈ میں اُس کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے اپنی چوپالوں میں اُس پر باتیں چھانٹتے اور بکواس کیا کرتے تھے'' (سید مودودی)

''خدمت حرم پر بڑائی مارتے ہو رات کو وہاں بیہودہ کہانیاں بکتے'' (احمد رضا خان)

''ان سے سرکشی کرتے، کہانیوں میں مشغول ہوتے اور بیہودہ بکواس کرتے تھے'' (فتح محمد جالندھری)

''اکڑتے اینٹھتے افسانہ گوئی کرتے اسے چھوڑ دیتے تھے'' (محمد جوناگڑھی)

اس مفہوم کو مراد لینے پر ایک اشکال یہ سامنے آتا ہے کہ سامر واحد ہے، تو اس سے مراد جمع کیوں لیا جائے؟ مزید یہ کہ جب مستکبرین اور تھجرون جمع استعمال ہوئے ہیں تو درمیان میں سامرا واحد کیوں استعمال کیا گیا؟

مفسرین اس اشکال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان جوابوں میں تکلف پایا جاتا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگر سامر سے مراد منکرین رسول کو لیا جائے تو سامر کا مفہوم اس پورے سیاق میں کوئی خاص

معنویت نہیں ادا کرتا۔ استکبار اور ھجر تو واضح طور پر مذموم رویے ہیں، اور منکرین سے ان کا تعلق بھی واضح ہے لیکن دونوں کے بیچ میں سمر یعنی قصہ گوئی کی مناسبت واضح نہیں ہو پاتی۔

اس کے علاوہ یہ مفہوم لینے کے بعد (بہ) میں ضمیر کا مرجع متعین کرنے میں بھی لوگوں کو دشواری پیش آتی ہے۔

اگر (بہ) میں باء کو تجرید کا مان لیں، اور ھاء ضمیر کو رسول کے لیے مان لیں جیسا کہ آگے کی آیتوں سے واضح ہوتا ہے، اور سامرا کو ھاء ضمیر سے حال مان لیں تو مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور تمام اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔ اس توجیہ کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول کا انکار کرنے والے گھمنڈ میں مبتلا ہیں، وہ رسول کی بات سننے کے بجائے یہ کہہ کر اس سے دور ہٹ جاتے ہیں کہ یہ تو محض قصہ گو اور بکواس کر رہا ہے۔

آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

''گھمنڈ میں اُس کو چھوڑ دیتے تھے، گویا وہ بکواس کر رہا ہے'' (امانت اللہ اصلاحی)

''گھمنڈ کرتے ہوئے گویا کسی افسانہ گو کو چھوڑ رہے ہو'' (امین احسن اصلاحی، یہ ترجمہ درست ہے، البتہ اس کی تفسیر میں بہ میں باء کو تجرید کا ماننے کے بجائے استہزاء کو محذوف مان کر باء کو اس سے متعلق مانا گیا ہے، ایک تو اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے، پھر لفظ تھجرون سے خود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ موقعہ مذاق اڑانے کا نہیں بلکہ اعراض کرنے کا ہے۔ مزید یہ کہ خود ترجمہ سے استہزاء کے مفہوم کا اظہار نہیں ہوتا ہے)

''غرور میں آکر اسے کہانی سمجھ کر چلے جایا کرتے تھے'' (احمد علی، اس ترجمہ میں سامر کے لیے کہانی کا لفظ درست نہیں ہے، کہانی سنانے والے کے لیے سامر آتا ہے)

''اس سے بڑائی کر کر ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے'' (شاہ عبدالقادر، سامر کا ترجمہ درست ہے، البتہ بہ کو مستکبرین سے متعلق مانا ہے جو محل نظر ہے)

علامہ فراہی مفسرین کی معروف توجیہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولا يخلو من تكلف۔ والأولى من كل ذلك أن يكون (سامرا) مفعولا ل(تهجرون)۔ أى نكوصكم عن استماع آياتي مستكبرين كان على حالة كأنكم تتركون بفعلكم هذا سامرا لا تعبأون بقوله۔ والآية التالية تبين ذلك۔ ويقرب من هذا التأويل أن يكون (به) متعلقا ب(سامرا)۔ وفي جعل الضمير مذكرا دلالة على أنهم لم يظنوا أنها آيات الله، وانما ظنوها قولا من السامر. فهذان تأويلان متقاربان- والله أعلم.(التعليقات)

مولانا امانت اللہ اصلاحی اس اہم گفتگو پر یہ قیمتی اضافہ کرتے ہیں کہ یہاں باء برائے تجرید ہے۔ اور ھاء کا مرجع رسول ہے۔

(۲) الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ أَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِیْراً۔ (الفرقان:۵۹)

''وہ بڑی مہر والا ہے، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو'' (شاہ عبدالقادر)

’’وہ رحمان ہے پس اس کی شان باخبر سے پوچھو‘‘(امین احسن اصلاحی)

’’رحمٰن، اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو‘‘(سید مودودی)

’’وہ بڑی مہر والا تو کسی جاننے والے سے اس کی تعریف پوچھ‘‘(احمد رضا خان)

اس آیت کے ترجمے کی یہ چند مثالیں ہیں، عام طور سے لوگوں نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے بارے میں اس سے پوچھو جو اللہ سے باخبر ہو۔

اس مفہوم میں ایک اشکال یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں خبیر ہونے کا دعویٰ کون کرسکتا ہے، اور کس کے بارے میں یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ سے باخبر ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر خبیر کا لفظ آیا ہے اور ہر جگہ اللہ کے لیے آیا ہے، کسی اور کے لیے یہ لفظ نہیں آیا ہے۔

مزید ایک بات یہ ہے کہ سأل بہ کے معنی ’’اس کے بارے میں پوچھنا‘‘ عام استعمالات کے مطابق نہیں ہے۔ عام استعمال کے مطابق سأل کے ساتھ جب ب آتا ہے تو مطالبہ کرنے کے معنی میں ہوتا ہے، پوچھنے کے معنی میں نہیں ہوتا ہے۔ اور جب عن آتا ہے تو پوچھنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اگر کوئی صلہ نہیں ہو تو مانگنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

اگر باء کو برائے تجرید مان لیں تو یہ سارے اشکالات دور ہو جاتے ہیں، اور ترجمہ اس طرح ہوتا ہے:

’’تم مانگو، اسے باخبر پاؤ گے‘‘(امانت اللہ اصلاحی)

اس توجیہ کے مطابق خبیر اللہ کی صفت قرار پاتی ہے جس طرح قرآن مجید میں باقی تمام مقامات پر خبیر کی صفت اللہ کے لئے آئی ہے، اور فاسأل کا مفہوم یہاں اللہ سے مانگنا ہے، جو ہر چیز سے باخبر ہے۔ بہ میں باء تجرید کے لئے ہے اور ھاء کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔

اس آیت کی توجیہ میں اہل نحو کو جو دشواریوں پیش آئی ہیں اس کا اندازہ ابن ہشام کی درج ذیل عبارت سے ہوسکتا ہے: وَتَـأَول البـصريون (فاسأل بِهِ خَبِيرا) علىَ أن البَاء للسَّبَبِيَّة وَزَعَمُوا أَنَّهَا لَا تكون بِمَعنى عَن أصلا وَفيه بعد لِأَنهُ لَا يَقتَضِي قَولك سأَلت بِسَبَبه أَن المَجرُور هُوَالمسؤول عَنهُ۔ (مغنی اللبیب، ص:۱۴۲)

کوفی نحاۃ کے نزدیک باء عن کے معنی میں ہے، جب کہ بصری نحاۃ اسے عن کے معنی میں لینا درست نہیں سمجھتے اور برائے سبب قرار دیتے ہیں۔ ابن ہشام ان کی رائے کو بھی غیر موزوں قرار دیتے ہیں، ایسی صورت میں ان بعض نحویوں کی بات زیادہ مضبوط لگتی ہے جو اسے تجرید کے لیے مانتے ہیں، الباقولی لکھتے ہیں: (فَسْـئَلُ بِهِ خَبِيراً): أى اسأل الله خبيرا۔ (اعراب القرآن للباقولی)